حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

طریقۂ تدریس سے متعلق خطاب

۱۲/مئی ۲۰۱۰ء بروز بدھ، بعد نماز ظہر حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مدظلہم استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی ومدیر مسئول البلاغ ، کا اساتذہ ومعلمات کے سامنے تدریس سے متعلق اہم خطاب ہوا تھا۔ افادۂ عام کے لئے یہ خطاب شامل ہے اشاعت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ادارہ

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتو كل عليه.و نشهد أن سيدنا و سندنا و مولانا محمدا عبده و رسوله .صلى الله تعالى عليه و على أله و صحبه أجمعين .و سلم تسليما كثيرا كثيرا .أما بعد

قابل صد احترام حضرات اساتذۂ کرام اور معلمات! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سب سے پہلے میں ان حضرات کو اپنے ل کی گہرئی سے مبارکباد پیش کرتا ہوں جنہوں نے اس تربیتی اجتماع کی ضرورت محسوس کی اوراس کے انعقاد کا انتظام فرمایا۔

تعلیم کا کام بڑا کام ہے، عظیم الشان کام ہے، اس کی اہمیت نا قابل تصور ہے، اس کے ثمرات کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا، یہ مردُم سازی کا کام ہے۔ یہ آدم گری کا کام ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے دنیا میں اور ہمارے ملک میں ہزاروں دینی ادارے قائم ہیں جو بچوں اور بچیوں کی تعلیم کا بندوبست کرتے ہیں ۔اس پر ہم اللہ رب العزت کا جتنا شکرادا کریں کم ہے کہ ہمیں آزادانہ طریقہ سے تعلیم کے کام میں زیادہ سے زیادہ اپنی خدمات بروئے کار لانے کا موقع میسر ہے۔

جن ممالک میں اس پر پابندی ہے وہاں کی صورت حال اس قدر ابتر ہے کہ اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بھیڑ بکریوں کا ایک ہجوم ہے جو بھیڑیوں کے نرغے میں ہے، کوئی راہنمائی

کرنے والا نہیں، کوئی جائے پناہ نہیں، کوئی درسگاہ نہیں، کوئی تعلیم گاہ نہیں، اپنے ماں باپ کی گود سے بچے نے اگر کچھ دین کے بارے میں بنیادی معلومات حاصل کرلیں تو سبحان اللہ، ورنہ اس سے زیادہ فہم دین کا کوئی مؤثر، منظم اور معقول انتظام نہیں۔ اسلامی ممالک میں بھی بہت سارے ممالک میں صورتحال یہی ہے۔ اسی وجہ سے قلب ونظر کے لئے پاکیزہ تعلیمات کا فقدان ہے، فارسی میں کہاوت ہے:

"خانۂ خالی را دیو میگرد"

ہر سو باطل افکار، باطل نظریات کا تسلط ہے اور امت کی شناخت تبدیل ہو رہی ہے۔ اس ماحول میں اگر ہم اپنے حالات کو دیکھیں تو شکر کا مقام ہے کہ اللہ کے فضل وکرم سے یہاں اُس انداز کی پابندیاں نہیں ہیں جن سے عالم اسلام میں یا عالم کفر میں، اہل ایمان گزر رہے ہیں اور جن ناساز گار حالات کا اُن کو سامنا ہے۔

تعلیم کا کام بڑا کام ہے یعنی معلم ہونے کی نسبت خود رب ذوالجلال نے اپنی طرف کی ہے

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا ، اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ، عَلَّمَ بِالْقَلَمِ

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کا بھی ایک بڑا وصف: وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ہے۔ تو یہ خدائی کام بھی ہے، یہ نبوت کا کام بھی ہے، بڑا کام ہے لیکن جہاں یہ اپنے نتائج، اپنے ثمرات کے لحاظ سے عظیم کام ہے وہیں اس کے لئے جس قدر لگن، توجہ، یکسوئی، دل جمعی کی ضرورت ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس کا بالعموم فقدان ہے۔ اس کی موٹی سی علامت یہ بھی ہے کہ:

ہر مدرسہ میں بیس، تیس، چالیس، پچاس، سو، دوسو، چار سو اساتذہ ہوتے ہیں لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہوگا کہ کبھی وہ اس غرض کے لئے باہمی مشاورت کرتے ہوں کہ ہم اپنے طرز عمل میں وہ کیا تبدیلی لاسکتے ہیں کہ جس کے نتیجہ میں ہماری اس محنت کے ثمرات اور اس کے نتائج زیادہ واضح اور روشن طریقہ سے ہمارے سامنے آجائیں۔

طلبہ میں کیا کیا کوتاہیاں ہیں؟ ان کی اصلاح کی کیا شکلیں ہوسکتی ہیں؟ تعلیم کے بہتر اثرات اور ثمرات کیوں ظاہر نہیں ہو رہے ہیں؟ ہم اپنے گریبان میں سر ڈال کر سوچیں کہ اس میں ہماری کوتاہی کا کس قدر دخل ہے؟ یہ کام نہیں ہو رہا، حالانکہ اس طرح محاسبہ اور اس طرح کی مشاورت بڑی نتیجہ خیز ہوتی

ہے۔

ہم سب دیکھتے رہتے ہیں کہ ماشاء اللہ دعوت وتبلیغ کا کام محلّہ محلّہ ہوتا ہے ہر مسجد میں کچھ فکر مند حضرات ہر ہفتہ ایک دفعہ یا ایک سے زیادہ دفعہ جمع ہوتے ہیں۔ مشورہ کرتے ہیں کہ کام کی سطح کیا ہے؟ پہلے کیا صورت حال تھی؟ اب کیا ہے؟ کیا کیا مشکلات ہیں؟ کیا آسانیاں متوقع ہیں؟ کام کو بڑھانے کے کیا طریقے ممکن ہیں؟ دیکھئے یہ فکر نتیجہ خیز ہوجاتی ہے اور کام بڑھتا چلا جاتا ہے۔ رکاوٹیں کم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ مقصد کا احساس زیادہ سامنے آنے لگتا ہے۔ خیر کا کام بڑھنے لگتا ہے۔

ہمارے مدارس میں، میں سمجھتا ہوں اس کا فقدان ہے، اس لئے اگر اس طرح کی مشاورت ہونے لگے تو ان شاء اللہ بڑی برکت کی بات ہوگی۔

میں اور آپ سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں اور کم سے کم میں اپنی ذات کی نسبت سے یہ نہیں سمجھتا کہ میں آپ کے سامنے کوئی ایسا گر، ایسا فارمولا، اور ایسا نسخہ پیش کرسکوں گا کہ جس کے ذریعہ ہماری کایا پلٹ جائے۔ ہم سب محتاج ہیں اور اپنے کام کو زیادہ سے زیادہ بہتر کرنے کی ہم میں سے ہر ایک کو ضرورت ہے۔ اور تعلیم کا معاملہ ہے بھی ایسا، میں نہیں سمجھتا کہ کسی کے پاس بھی کوئی ایسا نسخہ ہوگا کہ ایک دم رات دن میں بدل جائے اور سیاہ سفید ہوجائے۔ ایسا انقلابی نسخہ تعلیم کے میدان میں دستیاب نہیں، کرامات کے درجہ میں کوئی صورت ہوتو ہو، عام طور پر تو یہ دنیا دارالاسباب ہے اور تعلیم کے میدان میں تو خاص طور پر جہد مسلسل کی ضرورت ہے تو اس لئے کوئی ایسا نسخہ یا کوئی ایسی راہ عمل یا ایسی ترکیب وتدبیر جس کے نتیجہ میں ایک دم انقلاب آجائے اس کی توقع میں سمجھتا ہوں کہ محض خوش فہمی ہے تعلیم کا کام لوہے کے چنے چبانا ہے، محنت کرنا ہے، مسلسل تگ ودو میں مشغول رہنا ہے۔

مقصد کا استحضار اور اپنے طرز عمل کا محاسبہ کرنا ہے

یہ لگن، یہ فکر، یہ جستجو، یہ طلب، یہ جذبہ اور یہ احساس، اگر اُجاگر ہوجائے تو راستہ کھل جاتا ہے، لیکن اگر اس درجہ کی بات نہیں ہوتی تو گویا کہ رواداری کا سا کام ہے، ایک رسمی انداز ہے۔ مدرسے آئے دن بنتے رہتے ہیں، طلبہ کا بھی اللہ کے فضل وکرم سے اچھا خاصا رجوع ہے۔ نصاب بھی موجود ہے۔ امتحانات کا بھی نظم قائم ہے۔ سالانہ سات، آٹھ، نو ہزار علماء فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ بارہ، تیرہ، چودہ ہزار طالبات فارغ ہوتی ہیں، ایک سلسلہ ہے جو رواں دواں ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہر طرف ظلمت

ہے، تاریکی ہے اور کوئی تبدیلی سامنے نہیں آتی۔ اتنی بڑی فوج ظفر موج ہر سال ان مدارس سے نکلتی ہے لیکن اس کے معتد بہ اثرات وثمرات نظر نہیں آتے۔ یہ ہم سب کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ اور بس یہی فکر، یہی احساس اگر پیدا ہوجائے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ چراغ روشن ہوجائے گا۔ اور اپنے کاموں کو زیادہ سے زیادہ بہتر کرنے کی ان شاء اللہ سبیل نکل آئے گی۔

میں اپنے تقریباً بیالیس تینتالیس سالہ تدریسی زندگی میں جو چیز محسوس کرسکا ہوں وہ یہ ہے کہ

اچھی تعلیم اور نتیجہ خیز تربیت کے لئے دل جمعی اور یکسوئی ناگزیر ہے

اگر استاد میں یکسوئی نہ ہو تو طالبعلم کچھ حاصل نہیں کرپاتا اور اگر طالبعلم میں یکسوئی نہیں ہے تو اچھے سے اچھے استاد کی تعلیم اس کے سر کے اوپر سے گزر جاتی ہے، دل جمعی، یکسوئی، جستجو، فکر مندی، اور مسئولیت کا احساس کامیاب مدرس کے لئے بنیادی اور اساسی شرط ہے۔ البتہ یہ غور طلب بات ہے کہ یکسوئی، دل جمعی، حاصل کیسے ہوتی ہے؟

میں نے شروع میں آپ حضرات کے سامنے عرض کیا کہ میں کوئی ایسا فامولا آپ کو دینے کا اہل نہیں ہوں جس کے نتیجہ میں کایاپلٹ جائے۔ یہ ایک مذاکرے کی مجلس ہے۔ جب محترم بھائی یامین صاحب نے حکم دیا تھا کہ اس مذاکرے میں حصہ لینا ہے تو مجھے خیال آیا تھا میں حاضر ہوجاؤں گا اور چونکہ ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں تو مذاکرہ کریں گے کہ ہر ایک استاد کے سامنے طلبہ ہوتے ہیں، درس گاہ ہوتی ہے، ہر ایک درس وتدریس کے ماحول سے گزر رہا ہوتا ہے، ہر ایک مشکلات کو سمجھتا ہے اور ہر ایک کی زندگی میں اچھے اچھے تجربات بھی سامنے آتے ہیں تو جب مذاکرے کے طور پر ہر ایک اپنی کچھ آپ بیتی یا اپنے سامنے کچھ آنے والی مشکلات کا اظہار کرے گا اور اس پر باہمی طور پر گفتگو ہوگی تو مجھے بھی نفع ہوگا۔ یہ بھی طریقہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے دوروں میں اگر اس کے لئے وقفے وقفے سے کوئی وقت مختص کیا جائے تو نفع سے خالی نہیں ہوگا۔

کسی نے کسی طرح کی مشکلات کا سامنا کیا ہوگا، کسی دوسرے نے کسی اور طرح کی مشکلات کا سامنا کیا ہوگا، درس کی نسبت سے، یا طالبعلم کی نسبت سے، یا خارجی ماحول اور خارجی حالات کی نسبت سے جس کی وجہ سے تعلیم کا مقصد متاثر ہوا ہوگا اور جو اچھے ثمرات اور اثرات سامنے آئے ہوں گے تو اس میں تربیت ہوتی ہے اور فائدہ حاصل ہوتا ہے، مستقبل میں کوئی ایسی صورت سامنے ہو تو میرے خیال میں

ایک حصہ اس کا بھی ہونا چاہئے۔ لیکن جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا کہ

" کام بہت اہم ہے اس کی اہمیت کے لئے ضروری ہے کہ ہر ادارہ میں اجتماعی طور پر اصلاح حال کے لئے سوچ پیدا ہو، اور مشاورت کا سلسلہ شروع ہو"۔

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ

یہ صاحبان ایمان لوگوں کی زندگی کا ایک ضابطہ ہے وامرھم شوری بینھم تو تعلیم کا معاملہ بھی کم اہمیت کا نہیں۔ بہت بڑے مقصد کا معاملہ ہے۔ قدم قدم پر مشکلات آتی ہیں، رکاوٹیں آتی ہیں، انسان کو خیال آنے لگتا ہے کہ جو کوشش میں کر رہا ہوں یہ کہیں العیاذ باللہ سعئ لا حاصل تو نہیں ہے؟

خدانخواستہ، خدانخواستہ ہم اس کا مصداق تو نہیں بن رہے کہ:

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا

اس لئے ہر ادارے میں ایسا مشورہ ہونا چاہیے، اس کے انشاء اللہ اچھے فوائد ظاہر ہوں گے۔ میں کوئی متعین فارمولا تو پیش نہیں کر سکتا لیکن اپنی زندگی میں جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں اور حالات سے جو اندازہ ہوا ہے وہ یہ کہ:

اچھے معلم، اچھی معلّمہ، کامیاب مدرس، کامیاب مدرسہ کے لئے یکسوئی، مسئولیت کا احساس لگن، شوق، جستجو کامیابی کا بنیادی پتھر ہے۔

لیکن اس کے لئے ایک لازمی شرط ہے، اور وہ ہے اچھی استعداد۔ اگر استعداد معقول ہوگی تو جستجو بھی پیدا ہوگی، لگن بھی پیدا ہو سکتی ہے، شوق بھی پیدا ہو سکتا ہے، تعلیم و تربیت کا بہت ہی دقیقہ رسی کے ساتھ احساس بھی پیدا کر سکتا ہے لیکن اگر استعداد کمزور ہے تو سوائے تذبذب کے، تردد کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور پھر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ؎ افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را

اور پھر یہ افسردگی یہ تردد و تذبذب طلبہ میں بھی منتقل ہو جاتا ہے، اس لئے بنیادی استعداد اور علمی رسوخ شرط اولین ہے۔

ایک استاد کو اگر صَرف سے متعلق اتنا عبور نہیں ہے کہ وہ کسی بھی صیغے کی تعلیل کر سکے، تعلیل سے مراد یہ ہے کہ اس کی جو ہیئت کذائیہ ہے اور اس کے جو حروف اصلیہ ہیں اور صحت سقم کے اعتبار سے جو اس کی حالت ہے اگر اس کو سمجھنے اور

پہچاننے کی صلاحیت نہیں ہے تو ایسا مدرس سوائے طلبہ کو مشوش کرنے کے کوئی معتد بہ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ نحو وصرف یہ دو چیزیں اگر طالبعلم کی صحیح ہوجائیں تو آگے اس کے لئے راستہ کھل جاتا ہے۔

نحو ہمارے یہاں پڑھائی جاتی ہے۔قواعد پڑھائے جاتے ہیں، ازبر کرائے جاتے ہیں۔لیکن طالبعلم جب عبارت پڑھ رہا ہوتا ہے آپ درجہ ثانیہ سے لے کر دورۂ حدیث تک مدارس کا سروے کر کے دیکھیں گے میں سمجھتا ہوں کہ ۸۰ ر فیصد طلبہ کی عبارت صحیح نہیں ہوتی۔ وہ نحوی اور صرفی قواعد کا انطباق نہیں کر سکتے۔عبارت میں وہ چاہے فقہ کی عبارت ہو چاہے حدیث کی عبارت ہو۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے۔صرف ۲۰ ر فیصد طلبہ عبارت پڑھ سکتے ہیں، ان کا بھی اگر جائزہ لیا جائے کہ انہیں قواعد کا استحضار ہے اور اس کی تطبیق پر ان کو قدرت ہے تو ان میں بھی مختلف قسم کی درجہ بندیاں ہوں گی اور یہ ۸۰ ر فیصد طلبہ ہیں وہ جو اولیٰ سے لے کر آخر تک صرف، نحو، بلاغت، ہر طرح کے فنون سے گزر چکے ہوتے ہیں لیکن بس رواروی کا سا انداز ہے۔سرسری پن ہے۔ایک عادت سی بن گئی ہے کہ نحو میر پڑھنی ہے، اس کے بعد ہدایۃ النحو ہے، اس کے بعد کافیہ ہے، اس کے بعد شرح جامی ہے اور میزان ومنشعب ہے اور علم الصیغہ ہے اور پھر کہیں شافیہ بھی ہے۔ اور اصول الشاشی ہے، نورالانوار ہے، حسامی ہے، ایک کتاب کے بعد دوسری کتاب دوسری کتاب کے بعد تیسری کتاب۔ گنتی میں تو ساری کتابیں آجاتی ہیں لیکن معنویت کے لحاظ سے اگر ہم دقیقہ رسی سے جائزہ لیں، تو افسوسناک حالت اور بڑا لمحہ فکریہ ہے۔ اصل بات یکسوئی اور دل جمعی کے فقدان کی ہے۔اور یہ اس لئے ہے کہ استعداد کمزور ہے۔

اب استعداد کو بہتر بنانے کا کیا طریقہ ہے؟ ایک تو بہتر بنانے کا طریقہ یہ ہے
کہ طالبعلمی کے دور سے اولیٰ سے پوری توجہ ہو، استاد کی بھی اور طالب علم کی بھی۔

اور پھر صرف خواندن برائے خواندن نہ ہو بلکہ سمجھ کر پڑھا جائے، احقر کا تجربہ ہے کہ صرفی اور نحوی قواعد کے اجراء کا بہتر طریقہ جس سے طالبعلم کو صحیح معنی میں فائدہ حاصل ہو وہ محض قواعد کو ذہن نشین کرانا نہیں ہے۔بلکہ عملی طور پر ان کا اجراء اور تطبیق ہے۔ مثلاً ایک چھوٹی سی مثال میں آپ کو بتاتا ہوں یہ ایک مختصر سا جملہ ہے: **الناس اعداء لما جهلوا**

تو آپ شرح جامی کے کسی طالب علم سے اس کی ترکیب پوچھیں۔ ممکن ہے کہ بعض طلبہ ترکیب

بتانے پر قادر ہوں لیکن میرے سامنے ایسی مثالیں ہیں کہ "فی الدار رجل" کی ترکیب نہیں بتا سکتے وہ "فی الدار رجل" کی ترکیب میں کہتے ہیں فی مضاف، دار مضاف الیہ مبتدأ، رجل اس کی خبر اور اگر کوئی درست ترکیب میں کامیاب ہو جائے کہ فی الدار خبر مقدم ہے اور رجل مبتدا مؤخر ہے تو آپ اس جملہ کو معکوس کر کے پوچھیں" رجل فی الدار" کی کیا ترکیب ہے تو دونوں میں فرق نہیں کر سکتے وہ بھی جملہ خبریہ ہے اور یہ بھی جملہ خبریہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قواعد تو سب پڑھ لئے لیکن ممارست نہیں ہے، تمرین نہیں ہے، اجرا نہیں ہے، قواعد کا انطباق نہیں ہے۔

الناس اعداء لما جھلوا یہ ایک جملہ ہے آپ ترکیب پوچھیں گے تو بہت سے لوگ ترکیب صحیح بتا سکیں گے لیکن اگر تحلیل کر کے یہ معلوم کرنا چاہیں کہ بتائیں۔ الناس اسم ہے یا فعل ہے یا حرف ہے، اس کے ذہن کو جھنجھوڑ دیں، اسم ہے تو کیوں؟ فعل ہے یا نہیں ہے، نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے؟ حرف ہے یا نہیں ہے، حرف نہیں ہے تو کیوں نہیں ہے؟ اس انداز کی جستجو نہایت مفید ہے لیکن نحو میں جو دوسرے انداز کا فلسفہ ہوتا ہے وہ ایک ذہنی کھیل ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ الناس کے بارے میں طلبہ سے پوچھا جائے کہ اسم ہے یا فعل؟ پھر یہ پوچھا جائے کہ معرب ہے یا مبنی؟ مؤنث ہے یا مذکر؟ متمکن ہے یا غیر متمکن؟ منصرف ہے یا غیر منصرف؟ جمع ہے یا مفرد ہے؟

یہ سارے قواعد جو طالبعلم نے پڑھے ہیں ایک لفظ میں آدھی کتاب کا اجراء ہو جاتا ہے۔

"لما" کیا کلمہ ہے یہ جو لام ہے یہ کیا ہے اور "ما" کیا چیز ہے "ما" نافیہ بھی ہوتا ہے "ما" مصدریہ بھی ہوتا ہے "ما" موصولہ بھی ہوتا ہے "ما" زائدہ بھی ہوتا ہے "ما" کیا ہے "جھلوا" یہ کون سا صیغہ ہے۔ اس کا باب کیا ہے باب ظاہر ہے لیکن ہر ایک کو اس کا استحضار نہیں ہوتا یہ صحیح ہے یا غیر صحیح ہے۔ اس طرح سے تحلیل کر کے اگر اجراء ہوگا تو نحوی اور صرفی قواعد کا فائدہ نظر آئے گا۔

اگر قواعد رٹ لئے لیکن اجراء، ممارست اور تمرین نہیں ہوئی تو اس کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوگا۔

میں شروع میں عرض کر رہا تھا کہ یکسوئی کا فقدان ہے پھر استاد کو یہ فکر بھی ہوتی ہے کہ کتاب ختم کرانی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ قاعدہ بھی از بر کرایا جائے۔ ہر فاعل مرفوع ہوتا ہے اور ہر مفعول منصوب ہوتا ہے بس یہ قاعدہ دماغ میں آگیا، جملہ اسمیہ اس کو کہتے ہیں کہ جس کا پہلا جز اسم ہو اور جملہ فعلیہ اس کو کہتے ہیں جس کا پہلا جز فعل ہو بس، اس کا عملی انطباق بہت سے لوگوں کو نہیں آتا جس کی وجہ

سے جب صرف اور نحو میں ضعف رہ جاتا ہے تو پھر ؎ تا ثریا می رود دیوار کج
اور پھر ابتدائی درجات کے بعد کوئی موقع ایسا نہیں آتا کہ اس کمزوری کا تدارک ہو سکے۔ کتنی مشکل بات ہے یہ خشت اول جب ٹیڑھی ہو تو آخر تک یہ کجی برقرار رہتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یکسوئی دل جمعی کا فقدان ہے استعداد کی کمزوری ہے جستجو کی کمی ہے۔ طلبہ کو بنانے، ان کے دماغ میں اتارنے اور ان کو قواعد کے بارے میں پوری طریقہ سے تمرین سے آراستہ کرنے کا ہنر نہیں ہے۔ کتاب پوری ختم ہو جاتی ہے لیکن حاصل محصول کو دیکھیں گے تو کچھ ثمرہ نظر نہیں آئے گا۔ اس لئے یہ بات بہت زیادہ ضروری ہے کہ ایک استاد اپنے منصب کا احساس کرے کہ ایک بہت بڑی امانت مجھ سے وابستہ ہے۔ اور اس امانت کے سلسلے میں مجھے عنداللہ اپنی مسئولیت کو صحیح طریقہ سے بروئے کار لانا ہے۔

تدریس کی نافعیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ

درس گاہ میں جانے سے پہلے مضمون پر پوری طرح عبور ہونا چاہیئے

اس لئے کہ انشراح اگر ہو گا تو خود اعتمادی پیدا ہوگی اور خود اعتمادی پیدا ہوگی تو "از دل خیز د بر دل ریزد" بات اوقع فی النفس ہوگی۔ اگر تذبذب ہوگا، ناپختگی ہوگی، اس مضمون پر استاذ پوری طرح حاوی نہیں ہوگا، پوری طریقے سے دسترس حاصل نہیں ہوگی تو اس کے نتیجہ میں جو بات نکلے گی وہ بات ڈھیلی ڈھالی نکلے گی اور جب بات ڈھیلی ڈھالی نکلے گی تو اس کا اثر بھی ڈھیلا ڈھالا ہو ہوگا۔ رنگ نہیں چڑھے گا۔

یہ بنیادی بات ہے اچھی استعداد، جستجو، اپنی مسئولیت کا احساس، اس بات کا احساس کہ یہ جو میرے سپرد امانت ہے۔ مجھے اس کی حفاظت بھی کرنی ہے اور اس کو مزید پروان بھی چڑھانا ہے۔ یہ احساس اگر ہوگا تو پھر ان شاء اللہ اس کے اثرات وثمرات نظر آئیں گے اور اگر رواداری کا معاملہ ہوگا تو پھر نتیجہ سامنے نہیں آئے گا۔

ایسے اسباب سے اپنے آپ کو نکالنا چاہیے جو یکسوئی اور دل جمعی میں مزاحم بنیں

اگر مدرس ہے تو بالکل مُلاّ بن کر اس کو تدریس کا کام کرنا چاہیے اور اگر وہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھے گا تو نہ اِدھر کا رہے گا نہ اُدھر کا رہے گا۔ الا یہ کہ کسی کی استعداد بہت ہی غیر معمولی ہو تو ٹھیک ہے۔ اور جزوی طور پر کسی علمی کام میں حصہ لینا عام طور پر مفید نہیں ہوتا۔

مضمون پر حاوی ہونا ضروری ہے

اور جب مضمون پر حاوی ہونے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ جو سبق آج ہمارے سامنے ہے اس کے کتنے عناصر ہیں، کتنے اجزاء ہیں۔ ہر ہر جزء کے بارے میں پوری بصیرت حاصل ہو اور اس کا بھی خیال ہو کہ میرے سامنے جو طلبہ ہیں وہ مختلف فہم رکھنے والے ہیں۔ اُن کی سوچ وفکر اور ان میں جو اخذ کا مادہ ہے وہ یکساں نہیں ہے۔ لہٰذا مجھے اضعف کی رعایت کر کے اپنی بات پیش کرنی ہے۔ البتہ یہ خیال بھی رہے کہ اس کے مقابلے میں جو قوی ہے اس کے ذہن میں یہ اشکال پیش آسکتا ہے۔

لہٰذا سبق کی تیاری کے دوران اس بات کو بھی پیش نظر رکھے لیکن طالبعلموں کو اتنا دے جتنا وہ ہضم کرسکیں اپنی تیاری پوری ہو لیکن جہاں تک منتقل کرنے کا معاملہ ہے اور دینے کا معاملہ ہے وہ قابل تحمل ہو۔ اپنا مطالعہ، اپنی تیاری اور اپنا جو سامان ہے اس میں کوئی کمی نہ ہو۔ اس طرح جب استاد تیار ہو کے درس گاہ میں جاکے بیٹھے گا تو دل سے بات نکلے گی اور اثر انداز ہوگی، خود اعتمادی سے نکلے گی، پوری بصیرت سے نکلے گی تو یقینی طور پر اس کے اثرات ظاہر ہوں گے۔

یہ ناقص تیاری ہوتی ہے، اس کے بڑے منفی اثرات ہوتے ہیں مضمون اچھا خاصا آسان ہوتا ہے لیکن ناقص تیاری سے طالبعلم کے لئے پہاڑ بن جاتا ہے۔

سیدھا سادہ مضمون ہے تیاری کر کے مناسب اسلوب کے ساتھ اس کو پیش کرنا چاہئے، اور جب تیاری ہوتی ہے تو ذہن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ اس کو زیادہ سہل طریقہ سے پیش کرنے کا کیا طریقہ ہے۔ جب تیاری ہوگی تو سہل طریقہ سے پیش کرنے کا ایک داعیہ پیدا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی بھی مدد آئے گی کہ اس نے اس کا وعدہ کیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

اللہ تعالیٰ بھی اس کو راستے سجھا دیتے ہیں۔ اور مشکل آسان ہوجاتی ہے بات اثر انداز ہوتی ہے لیکن جب تیاری نہیں ہوتی تو ایسی صورت میں بس وقت گذاری کا انداز ہوگا۔ اس وقت گذاری کا شاخسانہ ہے کہ آج یہ صورت حال ہے کہ ۷۰/۸۰ فیصد فضلاء اس پایہ کے نہیں ہیں جس پایہ کا ان کو ہونا چاہیے تھا۔

ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ مدارس ہمارے لئے بہت بڑی نعمت ہیں کہ یہ علوم نبوت کے تحفظ کا بڑا

ذریعہ ہیں۔ بڑا ذریعہ کیا بلکہ واحد ذریعہ ہیں۔ دنیا میں کوئی ادارہ ایسا نہیں ہے۔ کوئی حکومت ایسی نہیں ہے۔ کوئی پارٹی ایسی نہیں ہے۔ کوئی جماعت ایسی نہیں ہے۔ جس نے تعلیم کے کام کا بیڑا اٹھایا ہو جبکہ علوم نبوت کی تعلیم، دین کے ہر شعبہ کے لئے ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

دعوت وتبلیغ کے کام کے لئے بھی علم کی ضرورت ہے۔ جہاد کے کام کے لئے بھی علم کی ضرورت ہے۔ زندگی کے دیگر میدانوں میں اگر کوئی شخص دینداری کے طریقہ پر چلنا چاہے تو اس کے لئے بھی علم کی ضرورت ہے۔ علم ہر جگہ ناگزیر ضرورت ہے۔ اور اس ضرورت کے لئے اللہ رب العزت نے ہمیں مدارس کا یہ نظام عطا فرمایا اور یہ نظام ویسے تو شروع ہی سے رہا ہے لیکن ہر دور میں اس کا الگ طریقہ رہا ہے۔ جب انگریز برصغیر میں نہیں آیا تھا اس وقت بھی دہلی میں بہت سارے مدارس تھے۔ انگریز نے آکر سب کو ملیامیٹ کر دیا اور کفار کی یہ خواہش تھی کہ برصغیر سے مسلمانوں کو نکال دیا جائے اور بحیثیت امت کے ان کو فنا کر دیا جائے اور امت کی شناخت چونکہ دین سے ہے، علوم نبوت سے ہے، قرآن کریم سے ہے۔ تو انگریز کی پوری کوشش تھی کہ دین اور علوم دین کا راستہ روکا جائے۔ بحمد اللہ اس کوشش میں تو اللہ کے فضل وکرم سے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ انگریز کے خلاف مسلح جدوجہد کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا اور وہ جدوجہد بھی جب ناکام ہوگئی تو ہمارے بزرگوں نے یہ سوچا کہ مسلمانوں کے دین وایمان کے تحفظ کے لئے اب ہمارا میدان عمل، تعلیم کا میدان ہے۔

چنانچہ ایک درخت کے نیچے ایک استاد اور ایک شاگرد سے ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ دارالعلوم دیوبند اس طرح نہیں بنا تھا کہ کوئی عمارت تیار کی گئی ہو کچھ لوگوں کو جمع کیا گیا ہو اس کے لئے باقاعدہ ایجنڈا بنایا گیا ہو کوئی فنڈ مہیا کیا گیا ہو، مدرسہ کا آغاز ہوا تھا چھت کے بغیر ایک درخت کے سائے میں ایک استاد اور ایک طالبعلم سے اور مقصد یہی تھا کہ علوم نبوت کا تحفظ کیا جائے۔ یہ پہلا مورچہ تھا علوم نبوت کے تحفظ کا جو درخت کے سائے میں بنا تھا۔ اللہ کے فضل وکرم سے ہمارے بزرگ اس مورچے کے مقاصد میں کامیاب رہے۔

الحمد للہ طاغوت کے اُس دور میں بھی اللہ کے فضل وکرم سے بڑے بڑے علماء راسخین اور علمائے ربانیین امت کی رہنمائی کے لئے پیدا ہوئے لیکن کفر نے بھی ہتھیار نہیں ڈالے۔ اُس وقت کفر کا حملہ دوسری نوعیت کا تھا آج کفر کا حملہ زیادہ ہمہ گیر ہوگیا ہے۔ پہلے تو ایک مخصوص شکل تھی سیاسی بالادستی کی۔

اب جو کفر کا حملہ ہے وہ اعتقادی بھی ہے فکری بھی ہے معاشی بھی ہے اور سیاسی بھی ہے غرض ہر لحاظ سے امت مسلمہ پر ہمہ جہتی یلغار ہے۔

اور اب امت مسلمہ کے اور علوم شریعت کے تحفظ کے لئے اور کوئی مورچہ سوائے مدارس کے نہیں ہے۔ اس زمانے میں یہ مورچہ بنا تھا اور یہ مورچہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا۔ اب کفر زیادہ سفاکانہ انداز میں ہم پر حمہ آور ہے اور مختلف ہتھیاروں سے ہم پر حملہ آور ہے۔ مختلف جہات سے ہم پر حملہ آور ہے اس یلغار کو روکنے کیلئے جو مورچہ ہمارے پاس ہے بجائے اس کے کہ وہ مورچہ مضبوط ہوتا وہ کمزور ہوتا جارہا ہے۔ ان مدارس کے جو اصل کام تھے ان میں بھی ضعف آگیا ہے۔ اچھی استعداد کے طلبہ پیدا نہیں ہوتے حالانکہ یہ بات نہیں ہے کہ پہلے زمانے کے لوگوں کا دماغ کچھ زیادہ روشن تھا اور اب طبعی اور فکری طور پر اس میں ضعف آگیا ہے ایسا نہیں۔

سنت اللہ بھی ایسی نہیں ہے کہ پچھلے لوگ زیادہ قوی ہوں اور بعد کے لوگ کم فہم اور کمزور ذہن کے مالک ہوں، ایسا نہیں ہے۔

البتہ پہلے لوگوں نے ذمہ داری سے کام کیا تھا:

وان لیس للانسان الاماسعی ، الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

تو اس کے ثمرات ظاہر ہوگئے اور اب اُتنی ذمہ داری سے کام نہیں ہورہا۔ جہاں ہوتا ہے وہاں اس کے ثمرات ظاہر ہوتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ بعض مدارس میں حفظ کا شعبہ ہوتا تھا وہاں تکمیل حفظ میں آٹھ سال لگتے تھے۔ اس لئے نہیں کہ وہ بچے ذہنی اور دماغی ماؤف ہوتے تھے بلکہ بدنظمی تھی اس لئے وہ کام جو کم وقت میں ہوسکتا تھا وہ اتنا وقت لے لیتا تھا اور یہ زیادہ وقت کا بے ثمر استعمال تھا حالانکہ اس قدر زیادہ وقت میں دین کے بڑے بڑے کام ہوسکتے تھے لیکن اس عرصہ میں تھوڑا سا کام ہوتا تھا۔ کم وقت میں وہ کام ہوسکتا تھا جس کے لئے آٹھ سال گزار دیئے اور اب آپ کو معلوم ہوگا کہ تعلیم کے میدان میں نئے نئے تجربات ہورہے ہیں۔ ایک سال میں، دوسال میں، عام طور پر تو ڈھائی سال میں بچہ حافظ ہوجاتا ہے۔ بچہ کمزور ذہن کا ہو یا توجہ کی کمی ہو تو الگ بات ہے ورنہ ڈھائی سال میں آسانی سے بچہ حفظ کرلیتا ہے۔

تو یہ بات نہیں کہ پچھلے زمانوں کے لوگ زیادہ عبقری تھے اور اس زمانے کے لوگ ذہنی طور پر کمزور ہیں۔ لیکن فرق وہ صرف رویہ کا ہے۔ پہلے زمانے کے لوگوں میں دل جمعی تھی، یکسوئی تھی، لگن، جستجو، اپنی

ذمہ داری کا احساس اور طلبہ کو امانت سمجھنے کا تصور تھا اور اب سرسری پن ہے، رواروی ہے، رسمی سا انداز ہے چالو سا کام ہے۔نتائج پر اور خوب سے خوب تر بنانے پر زیادہ نظر نہیں ہے چنانچہ جو نتائج سامنے آنے چاھییں وہ سامنے نہیں آرہے۔

معمولی بات نہیں ہے کہ ہمارے مدارس میں پندرہ لاکھ بچے پڑھ رہے ہیں لیکن معیاری مدارس خال خال ہیں، ان کے بارے میں جب سنتے ہیں تو ایک خوشگوار احساس ہونے لگتا ہے۔تو اس کی وجہ کیا ہے؟ ایک رویہ ہے لگن کی کمی ہے شوق کی کمی ہے استعداد کی کمزوری ہے اور طریقۂ کار کا ضعف ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ہم بہت سے اسباب کی نشاندہی کر سکتے ہیں یہ سبب ہے، وہ سبب ہے یہ بھی ممکن ہے یہ بھی، لیکن تمام اسباب ایک طرف اور یہ ایک سبب تمام اسباب کی ماں ہے۔

یکسوئی دل جمعی، جستجو، طلب، لگن، احساسِ ذمہ داری، تمام اسباب کی ماں ہے یہ سبب اگر اُجاگر ہو جائے تو حالات بدل جائیں گے۔

مدرسین حضرات اپنے حالات کا جائزہ لیں، اپنی لگن کو زندہ کریں، اپنے اس شوق کے چراغ روشن کریں۔اور جب یہ چراغ روشن ہوں گے تو پھر یہ کیفیت اپنے طلبہ میں منتقل کر سکیں گے یہ بھی دیکھنے کی بات ہے کہ اگر اس یکسوئی، دل جمعی کے لئے خارجی موانع واسباب ہیں، تو ان اسباب کا جس سے بھی تعلق ہے ان کے ازالے کی فکر کرنی چاہیئے تاکہ تعلیم کا یہ اساسی اور اہم کام زیادہ ذمہ داری اور زیادہ یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ ہو۔دیکھئے قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے کہ:

للفقراء الذین احضروا فی سبیل الله لایستطیعون ضرباً فی الارض

یہ آیت ایسے ہی طلبہ اور مشتغلین فی العلم سے متعلق ہے **احضروا فی سبیل الله**، کہ اللہ کی زمین میں ان کو قید کر دیا گیا تھا **لایستطیعون ضرباً فی الارض** زمین میں چل پھر نہیں سکتے تھے تو کیا خدانخواستہ وہ اپاہج تھے دشمن نے ان کو نرغے میں لیا ہوا تھا، نہیں ایسا نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ خود اپنے اختیار سے انہوں نے اپنے آپ کو ایسا کر لیا تھا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

العلم لا یعطیک بعضه حتی تعطیه کلک

علم کا معاملہ، تعلیم کا معاملہ، تربیت کا معاملہ افراد کو بنانے کا معاملہ، مسلمانوں کی اولاد کو سنوارنے کا

معاملہ اوران کو دین وعمل سے آراستہ کرنے کا معاملہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اس کی اہمیت کا ہم سب کو احساس ہوجائے اور میں سب سے پہلے اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہوں۔تو ان شاء اللہ ہمارے رویوں میں تبدیلی آئے گی اور اس کے ثمرات ظاہر ہوں گے۔اس کے نتائج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔اس لئے ہمیں اپنے حالات کا جائزہ لے کر، اور اپنا محاسبہ کرکے خود اپنے لئے راہ عمل متعین کرنی چاہیے۔

اور بھی بہت سارے اسباب ہوں گے اور آپ کے سامنے آگئے ہوں گے اور آئندہ بھی آئیں گے لیکن میں سمجھتا ہوں بنیاد یہ ہے، طلب، ذمہ داری کا احساس، دل جمعی، اور بننے اور بنانے کا جذبہ، یہ بات جتنی قوی ہوگی اس کے حساب سے ثمرات ظاہر ہوں گے اور اس میں جتنا تخلّف ہوگا اسی نسبت سے اس کے مفاسد سامنے آئیں گے۔

عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ طلبہ شکایت کرتے ہیں کہ فلاں استاد کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔یا جو سبق انہوں نے پڑھایا ہے وہ سمجھ میں نہیں آیا تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ مجموعی طور پر تساہل کا اور تکاسل کا ماحول ہوتا ہے جس کی وجہ سے ظاہر ہے کہ پھر سبق کیسے سمجھ میں آئے گا۔آسان سبق بھی طالب علم کے لئے پہاڑ بن جاتا ہے۔جب کوشش ہوگی تو سمجھ میں آئے گا۔سرسری انداز ہوگا تو سبق سمجھ میں نہیں آئے گا دنیا کا جو نظام ہے وہ تقسیم کار کا ہے۔اللہ رب العزت نے اپنے دین کا ہمیں پہرہ دار بنایا ہے۔یہ رباط ہے اس رباط کی نزاکت کا احساس ہو اور ذمہ دارانہ پہرہ دیا جائے تو ان شاءللہ اس کے اثرات ظاہر ہوں گے لیکن اس رباط کو اگر ہم نے ذمہ دارانہ نظر سے نہ دیکھا تو دشمن ہمیں کچل کر رکھ دے گا اور امت کا تشخص فنا ہوجائے گا العیاذ باللہ خدا نہ کرے کہ ایسا وقت آئے۔

اب جب اللہ رب العزت نے ہمیں رباط یعنی پہرہ داری کا اتنا بڑا منصب عطا فرمایا ہے تو یہ ذمہ داری ہمیں اچھے طریقہ سے اٹھانی چاہیے۔اور اس کی مسئولیت پر پورا اترنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس کے لئے جہاں ہم شخصی طور پر محنت کریں کہ ہم کتاب اور مضمون پر حاوی ہوں۔بہتر سے بہتر اسلوب میں بات کو پیش کرنے کا سلیقہ پیدا کریں دل میں اتارنے کا اچھا عنوان اختیار کریں۔وہاں رجوع الی اللہ کی بھی بہت زیادہ ضرورت ہے۔

ہم اپنی دعاؤں میں اس بات کو بہت زیادہ نمایاں حیثیت دیں کہ جو لوگ ہم

سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں وہ ہماری وجہ سے کسی ابتلا کا شکار نہ ہوں ۔ اور ہمیں بہتر انداز میں ان کی خدمت کرنے اور اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق میسر ہو۔

جب ہم درس گاہ میں جائیں تو ادعیۂ ماثورہ پڑھتے ہوئے جائیں۔

رب اشرح لی صدری ویسر لی امری، اللھم الطف بی فی تیسیر کل عسیر

حسبنااللہ ونعم الوکیل ، وغیرہ یہ دعائیں پڑھتے ہوئے جائیں۔ ان ادعیۂ ماثورہ کے بڑے ثمرات وبرکات ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ غزوات میں ایک طرف اگر مادی وسائل کے حصول کی کوشش کی گئی تو دوسری طرف سر بہ سجود ہوکر اللہ سے مانگا گیا۔ اس لئے دونوں کی ضرورت ہے ۔ تیاری کی ، دل جمعی اور یکسوئی پیدا کرنے کی بھی اور رجوع الی اللہ کی بھی ، اس لئے کہ یہ دین ہے اور دین ، دین کے طریقے سے ، دین کے اسلوب سے ، دین کی فکر سے ، دین کے جذبے سے آتا ہے اور اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ ان باتوں کا اگر ہم خیال رکھیں گے تو امید ہے کہ ہم اپنے کام ، اپنی سعی اور اپنی جدوجہد کے اچھے ثمرات دیکھیں گے ۔ اللہ کی ذات سے اس کی امید ہے اور اس طرح کی مجالس اسی مقصد کے استحضار کے لئے ہوتی ہیں۔ شروع میں عرض کیا گیا تھا کہ میں نہیں سمجھتا کہ ان مجالس سے دو، دوچار کی طرح کوئی نسخہ مل جائے لیکن مجموعی طور پر اگر ایک فکر پیدا ہو تو یہ احساس ان شاء اللہ ہمارے طرزِ عمل کو بدل دے گا۔

آپ جس قدر بھی غور کریں ذمہ داری استاد کی طرف آتی ہے استاد سے کتاب حل ہوتی ہے ۔ استاد سے مضمون ذہن نشین ہوتا ہے ۔ استاد سے طالبعلم ، طالبعلم بنتا ہے۔ استاد سے طالبعلم بااخلاق بنتا ہے اور استاد سے اچھا ماحول پروان چڑھتا ہے۔ کوئی طالبعلم فرشتہ بن کر نہیں آتا۔ وہ اپنے استاد کی شخصیت میں فرشتہ دریافت کر کے ، اس کو نمونۂ عمل بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

میرے پاس زیادہ کچھ نہیں ہے کہ عرض کروں لیکن اپنی تدریسی زندگی میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ:

تدریس اور تربیت کا کام مکمل خود اعتمادی کے ساتھ ہونا چاہیے یکسوئی ہونی چاہیئے فکرمندی ہونی چاہیے یہ بات اگر آگئی تو راستہ کھل جائے گا اور اگر اس میں کمی ہے تو بہتر نتائج کی توقع محض خوش فہمی ہوگی۔

ہر چیز کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ اگر اس طریقہ کو اختیار کیا جائے تو نتیجہ کی توقع کی جاسکتی ہے لیکن اگر اس طریقہ کو نظر انداز کیا جائے تو نتیجہ کی توقع کرنا محض خواب وخیال کی بات ہے۔

میں پھر آپ سے معذرت خواہ ہوں، کافی دیر سے آپ حضرات کی سمع خراشی کررہا ہوں اور گفتگو میں شاید ربط کی بھی کمی ہو لیکن جو باتیں کہی گئی ہیں ان کا سب سے پہلے مخاطب میں خود ہوں ہم سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ اپنے کام کے عمدہ ثمرات کے لئے جن ہدایات کی ضرورت آپ کو ہے ان کی ضرورت مجھ جیسے کو بھی ہے۔ امید ہے کہ یہ مذاکرہ ان شاء اللہ ہم سب کے لئے باعث خیر بنے گا اور اس کے مثبت نتائج اللہ نے چاہا تو ہم سب محسوس کریں گے۔

اللہ جل شانہ ہم سب کو اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں زیادہ سے زیادہ اخلاص کی اور حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری اس سعی کو اپنے فضل وکرم سے مشکور ومقبول بنائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دعاؤں کا طالب: محمد عاصم

facebook.com/masimfarooq

facebook.com/asim1080

asimfarooq1080@gmail.com